THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مشترکہ ترکہ میں تصرف سے حاصل شدہ منافع کا شرعی حکم: ایک فقہی مطالعہ

The Shariah Ruling on Profits Derived from Dealings in Joint Inherited Property: A Ḥanafī Juristic Study

1. Abdul Naseer
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Quetta, Pakistan.
Email: naseerahmad2147@gmail.com
2. Dr. Syed Muhammad Haroon Agha
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Quetta, Pakistan.
Email: aghaharoon00@gmail.com

Abstract

This study examines the Sharīʿah ruling on profits generated from undivided inherited property in the light of Ḥanafī jurisprudence, with particular reference to the customary joint family system prevalent among the Pashtun community of Balochistan. Although Islamic law grants every heir an independent and fixed share immediately upon the death of the deceased, inherited property often remains undivided for many years in practice. During this period, some heirs, particularly male members of the family, continue to manage, cultivate, or invest the estate, giving rise to important juristic questions concerning the legality of such transactions, ownership of the resulting profits, and entitlement to remuneration for the managing heirs. Using an analytical and applied juristic approach, this research distinguishes between two legal situations: transactions conducted with the express or implied consent of all heirs, and transactions carried out without such consent. The study concludes that where consent exists, the profits belong collectively to all heirs in proportion to their legal shares, while the heirs who actively managed the estate may, in light of established custom (ʿurf), be entitled to ujrat al-mithl (reasonable remuneration). Conversely, where consent is absent, the transaction assumes the legal status of usurpation (ghaṣb). In such cases, profits attributable to the shares of other heirs must be returned to their rightful owners, and the managing heir is not entitled to any remuneration for his labour. The study further demonstrates that the major inheritance disputes prevailing in the Pashtun society of Balochistan primarily result from delayed distribution of inheritance, neglect of women's legal rights, and deviation from established Islamic legal principles. It therefore recommends timely distribution of inheritance, protection of all heirs' rights, proper documentation of joint estate management, and the application of Islamic jurisprudential principles in resolving inheritance disputes.

Keywords: *Inheritance (Mīrāth), Joint Inherited Property, Profit Derived from Joint Inherited Property, Ḥanafī Jurisprudence, Ujrat al-Mithl (Reasonable Wage), Ghaṣb (Usurpation), ʿUrf (Custom), Joint Family System, Pashtun Society, and Balochistan*

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

تعارف

اسلامی شریعت نے وراثت کی تقسیم کے لیے نہایت جامع، واضح اور قطعی اصول مقرر کیے ہیں۔ قرآن کریم نے ہر وارث کا حصہ متعین کر کے اس امر کو یقینی بنایا ہے کہ کسی شخص کو اس کے شرعی حق سے محروم نہ کیا جائے[1]۔ اسی بنا پر وراثت کی تقسیم کو محض ایک سماجی یا اخلاقی معاملہ نہیں بلکہ ایک واجب شرعی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

عملی زندگی میں، بالخصوص بلوچستان کے پشتون علاقوں میں، وراثت کی فوری تقسیم کے بجائے مشترکہ خاندانی نظام کو برقرار رکھنے کا رجحان عام پایا جاتا ہے۔ والد کے انتقال کے بعد جائیداد طویل عرصہ تک مشترکہ رہتی ہے اور اکثر اس کا انتظام و انصرام صرف چند وارث، خصوصاً بھائی، انجام دیتے ہیں۔ وہ اسی مشترکہ ترکہ سے تجارت، زراعت یا دیگر کاروباری سرگرمیوں کے ذریعے منافع حاصل کرتے رہتے ہیں، جبکہ دیگر وارث، خصوصاً خواتین، عملاً اس انتظام میں شریک نہیں ہوتیں۔

یہ عملی صورت متعدد فقہی سوالات کو جنم دیتی ہے، مثلاً مشترکہ ترکہ میں تصرف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس سے حاصل ہونے والے منافع کا مالک کون ہوگا؟ اگر بعض ورثاء کی اجازت موجود نہ ہو تو کیا حکم ہوگا؟ اور اگر عرفاً اجازت سمجھی جاتی ہو تو اس کے کیا شرعی آثار مرتب ہوں گے؟ یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جن کی بنیاد پر یہ تحقیق مرتب کی گئی ہے۔

اس مقالے کا مقصد مشترکہ ترکہ سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی حیثیت کو فقہ حنفی کی روشنی میں واضح کرنا اور اس مسئلے کو بلوچستان کے پشتون معاشرے میں رائج عملی صورتوں پر منطبق کرنا ہے۔ اس تحقیق میں تمام فقہی مباحث اسی ترتیب سے پیش کیے گئے ہیں جس سے ایک طرف قدیم فقہی اصولوں کی وضاحت ہوتی ہے اور دوسری طرف ان اصولوں کا معاصر معاشرتی مسائل پر عملی اطلاق بھی سامنے آتا ہے۔

اس تحقیق کی اہمیت اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ موجودہ دور میں وراثت کی تقسیم میں تاخیر اور مشترکہ ترکہ میں بلا تقسیم تصرف ایک عام سماجی مسئلہ بن چکا ہے۔ بہت سے خاندانی تنازعات، خواتین کے حقوق کی پامالی اور وراثتی اختلافات کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مشترکہ ترکہ میں تصرف کے فقہی احکام سے واقفیت نہیں ہوتی۔ اس لیے اس موضوع کا تحقیقی مطالعہ نہ صرف علمی اعتبار سے اہم ہے بلکہ عملی اور سماجی اعتبار سے بھی اس کی ضرورت نمایاں ہے۔

مشترکہ ترکہ کی شرعی حیثیت اور ورثاء کی ملکیت کا قیام

اسلامی شریعت میں وراثت کا نظام ان احکام میں شامل ہے جن کی تعیین براہِ راست اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اسی لیے وراثت کی تقسیم کو کسی فرد کی خواہش، قبائلی روایت یا خاندانی مصلحت پر موقوف نہیں رکھا گیا، بلکہ میت کے انتقال کے ساتھ ہی اس کا ترکہ شرعی ورثاء کی مشترکہ ملکیت بن جاتا ہے اور ہر وارث اپنے مقررہ حصے کا از خود مالک قرار پاتا ہے۔ اس ملکیت کے قیام کے لیے نہ کسی نئے عقد کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی دوسرے ورثاء کی اجازت شرط ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے وراثت کے احکام بیان کرتے ہوئے مردوں اور عورتوں دونوں کے حق کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے:

"لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا"[2]۔

ترجمہ: "مردوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے"[3]۔

---

(1) [النساء/ 118]

(2) النساء:4-7

(3) عثمانی، محمد تقی، آسان ترجمہ قرآن، (ج1، ص249)۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو ترکہ میں مقررہ حصہ حاصل ہے، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ۔ قرآن نے اس حصے کو "نصیباً مفروضاً " قرار دے کر یہ اصول قائم کر دیا کہ وراثت کسی کی رضا، احسان یا معاشرتی روایت کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ لازمی حق ہے، جس میں کسی قسم کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

اسی اصول کی وضاحت فقہاء نے بھی کی ہے کہ وراثت ایک ایسا حق ہے جو شرعاً خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فقہی قاعدہ ہے:

"الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط"[4]۔

یعنی وراثت ایک جبری حق ہے جو محض دستبرداری یا انکار سے ساقط نہیں ہوتا۔

اس اصول کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ میت کے انتقال کے بعد ترکہ کا ہر جز تمام ورثاء کی مشترکہ ملکیت شمار ہوگا۔ جب تک شرعی تقسیم عمل میں نہ آئے، کسی ایک وارث کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ پورے ترکہ کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اس میں مستقل تصرف کرے یا دوسرے ورثاء کے حقوق کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے حاصل ہونے والے منافع پر تنہا قبضہ جمالے۔

اسی بنا پر شریعت نے وراثت کے احکام کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود قرار دیا ہے اور ان میں ردوبدل یا کسی وارث کو اس کے حق سے محروم کرنے پر سخت وعید بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (13) وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ"[5]۔

ترجمہ: " یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان (باغات) میں رہیں گے، اور یہ زبردست کامیابی ہے ﴿۱۳﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا"[6]۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت کی تقسیم محض ایک مالی معاملہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے ہے، جن کی پابندی ہر مسلمان پر لازم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

" إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه ، ولا وصية لوارث"[7]۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق خود عطا فرما دیا ہے۔

یہ حدیث اس امر کو مزید مؤکد کرتی ہے کہ کسی وارث کے حق کا تعین انسانوں کی صواب دید پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ شارع نے خود اس کی تعیین فرما دی ہے، لہٰذا کسی وارث کو اس کے شرعی حق سے محروم کرنا یا اس کے حصے میں بلا اجازت تصرف کرنا شریعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

---

[4] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، (بيروت: دار المعرفة)، (ج 2، ص 51)۔

[5] النساء: 4- 13-14

[6] عثمانی، محمد تقی، **آسان ترجمہ قرآن**، (ج1، ص254)۔

[7] النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، السنن الصغرى، كتاب الوصايا، باب إبطال الوصية للوارث، (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية، الطبعة الرابعة، 1414هـ / 1994م)، (ج 6، ص 247)۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

بلوچستان کے پشتون معاشرے میں صورتِ حال اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے۔ والد کے انتقال کے بعد اکثر جائیداد برسوں تک مشترکہ رہتی ہے اور عملاً اس کا مکمل انتظام مرد ورثاء کے ہاتھ میں آجاتا ہے، جبکہ خواتین اپنے شرعی حقوق سے یا تو محروم رہتی ہیں یا طویل عرصہ تک ان کا حق معطل رہتا ہے۔ اس صورت میں اگرچہ جائیداد عملاً چند افراد یا صرف بڑے بھائی کے قبضے میں ہوتی ہے، لیکن شرعی اعتبار سے وہ تمام ورثاء کی مشترکہ ملکیت ہی رہتی ہے اور ہر وارث اپنے مقررہ حصے کا مالک شمار ہوتا ہے[8]۔

اسی مشترکہ ملکیت کی بنیاد پر یہ فقہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بعض ورثاء اس غیر منقسم ترکہ میں تجارت یا دیگر مالی تصرفات کریں تو ان تصرفات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کا مالک کون ہوگا؟ ان سوالات کا جواب آئندہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

مشترکہ ترکہ میں تصرف کی فقہی حیثیت اور اجازت کا اثر

مشترکہ ترکہ کے بارے میں یہ اصول مسلّم ہے کہ میت کے انتقال کے بعد اس کا ترکہ تمام ورثاء کی مشترکہ ملکیت بن جاتا ہے۔ تاہم عملی زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ترکہ کی باقاعدہ تقسیم سے پہلے بعض ورثاء اس میں تجارت، کاشت کاری یا دیگر مالی تصرفات کرتے رہتے ہیں۔ اس صورت میں بنیادی فقہی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسا تصرف شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کا حکم کیا ہوگا؟

اس مسئلہ کا جواب ورثاء کی اجازت یا عدمِ اجازت پر موقوف ہے۔ اگر تمام ورثاء کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت موجود ہو تو مشترکہ ترکہ میں کیا جانے والا تصرف شرعاً جائز ہوگا، کیونکہ ہر شریک اپنے حصے میں دوسرے کو تصرف کی اجازت دے سکتا ہے۔ ایسی صورت میں تصرف غصب شمار نہیں ہوگا، بلکہ باہمی رضامندی کی بنیاد پر صحیح اور معتبر قرار پائے گا۔

بلوچستان کے پشتون معاشرے میں عمومی طور پر یہی صورت پائی جاتی ہے کہ والد کے انتقال کے بعد ترکہ کئی سال تک مشترکہ رہتا ہے اور بھائی اس کی دیکھ بھال، تجارت یا دیگر مالی معاملات انجام دیتے رہتے ہیں، جبکہ دیگر ورثاء، خصوصاً بہنیں، عرفاً اس تصرف پر اعتراض نہیں کرتیں۔ اس طرزِ عمل سے دلالۃً اجازت کا مفہوم پایا جاتا ہے، کیونکہ عرف میں یہ بات معروف ہوتی ہے کہ بھائی مشترکہ ترکہ کی حفاظت، انتظام اور کاروباری معاملات انجام دیتے رہیں گے، خاص طور پر اس معاشرے میں جہاں بہنیں عموماً کاروباری معاملات میں عملی طور پر شریک نہیں ہوتیں اور انتظامی امور زیادہ تر بھائیوں ہی کے سپرد سمجھے جاتے ہیں۔

اسی بنا پر اگر تصرف ورثاء کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت سے ہو تو اس سے حاصل ہونے والا اضافہ اور منافع اصل ترکہ ہی کا حصہ شمار ہوگا، اور تقسیم کے وقت تمام ورثاء کے درمیان ان کے مقررہ شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اس صورت میں کسی ایک وارث کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ پورے منافع کو اپنی ذاتی کمائی قرار دے، کیونکہ منافع اسی مشترکہ سرمائے سے پیدا ہوا ہے جس میں تمام ورثاء شریک تھے۔ یہی حکم فقہائے کرام نے بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم کراچی میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی تصدیق کے ساتھ صراحت موجود ہے:

"اور اگر کام کرنے والوں نے دوسرے ورثاء کی اجازت سے ترکہ میں تصرف کیا لیکن یہ طے نہیں ہوا کہ نفع کس کا ہوگا، جیسے کہ عام طور سے ہوتا ہے کہ تمام ورثاء ساتھ رہتے ہیں اور بڑے بھائی ترکہ میں تصرف کرتے ہیں، باقی ورثاء کو معلوم ہوتا ہے لیکن وہ منع نہیں کرتے۔

ایسی صورت میں ترکہ مع اضافہ تمام ورثاء میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہوگا۔۔۔ اور دوسرے ورثاء کو معلوم ہے کہ اس میں ہمارا حصہ ہے اور وہ باوجود قدرت کے اس کو منع نہیں کرتے تو یہ ان کی طرف سے دلالۃ اجازت ہے"[9]۔

بھائیوں کی محنت اور اجرتِ مثل کا استحقاق

---

(8) النساء:4، 7

(9) مجموعہ فتاوی دارالعلوم کراچی فتوی نمبر 1098/26)

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ورثاء کی اجازت کی صورت میں حاصل ہونے والا منافع تمام شرکاء کا مشترکہ حق ہے، تو یہاں ایک دوسرا اہم فقہی سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ چونکہ مشترکہ ترکہ کی حفاظت، تجارت اور اس میں اضافہ کرنے کی عملی ذمہ داری عموماً بعض مخصوص ورثاء، خصوصاً بھائیوں، نے انجام دی ہوتی ہے، اس لیے کیا وہ اپنی اس محنت کے بدلے کسی اجرت یا معاوضے کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ اس مسئلے میں فقہاء نے اصولی اور تطبیقی دونوں پہلوؤں سے بحث کی ہے۔

اصولی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھائی اپنی اس محنت کی اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے، کیونکہ اجرت کا استحقاق صرف اس وقت ثابت ہوتا ہے جب فریقین کے درمیان پہلے سے عقدِ اجارہ موجود ہو۔ اگر ایسا معاہدہ نہ ہو اور بھائی بطور شریک مشترکہ مال میں تصرف کرتے رہے ہوں تو ان کا عمل اصل کے اعتبار سے تبرع پر محمول ہوگا۔

اسی لیے فتاویٰ دارالعلوم کراچی میں حضرت مفتی سید حسین احمد مدظلہ نے لکھا ہے:

"اجارہ کے عام اصول کو اگر دیکھا جائے تو اس کا تقاضایہ ہے کہ یہ عمل تبرع ہو کیونکہ اجرت کا استحقاق عقد کی بناء پر ہوتا ہے اور یہاں کوئی کوئی عقد اجارہ نہیں ہوا"۔(10)

اس اصول کی روشنی میں چونکہ بھائیوں اور دیگر ورثاء کے درمیان محنت کے بدلے اجرت کا کوئی پیشگی معاہدہ موجود نہیں ہوتا، اس لیے محض عقد کے اعتبار سے وہ اپنی سابقہ خدمات کا معاوضہ طلب کرنے کے شرعی طور پر حق دار نہیں ہوں گے، بلکہ ان کا عمل رضاکارانہ خدمت تصور ہوگا۔

تاہم فقہی تحقیق کا معاملہ صرف اسی اصول پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ فقہاء نے باب الاجارہ میں عرف کو بھی ایک مؤثر شرعی دلیل کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ اگر کسی کام کے متعلق کسی معاشرے میں یہ عرف قائم ہو کہ وہ کام عموماً اجرت کے بغیر انجام نہیں دیا جاتا، تو اگرچہ اجرت کا صریح معاہدہ موجود نہ ہو، پھر بھی کام کرنے والا شخص اجرتِ مثل کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اسی بنا پر فقہائے احناف نے متعدد جزئیات میں عرف کو فیصلہ کن حیثیت دی ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں مذکور ہے:

چنانچہ "رد المحتار على الدر المختار" (شامیہ) میں اس سلسلے میں ایک جزئیہ مذکور ہے:

"وفي الأشباه: استعان برجل في السوق ليبيع متاعه فطلب منه أجرا فالعبرة لعادتهم، وكذا لو أدخل رجلا في حانوته ليعمل له.

وفي الدرر: دفع غلامه أو ابنه لحائك مدة كذا ليعلمه النسج وشرط عليه كل شهر كذا جاز، ولو لم يشترط فبعد التعليم طلب كل من المعلم والمولى أجرا من الآخر اعتبر عرف البلدة في ذلك العمل"(11)۔

اس جزئیہ سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں کسی کام کے متعلق عرف یہ ہو کہ وہ معاوضے کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے وہاں عدم شرط کے باوجود عرف ہی اجرت کے استحقاق کی بنیاد بن جاتا ہے۔ اسی اصول کو فقہ کے مشہور قاعدے میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"(المادة 36) : العادة محكمة---ومعنى محكمة أي هي المرجع عند النزاع"(12)۔

یعنی عرفِ عام نزاع کی صورت میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، اور اس کی حیثیت بعض اوقات صریح شرط کے قائم مقام ہوتی ہے۔

اسی اصول کا اطلاق بلوچستان کے پشتون معاشرے پر کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہاں بھائی برسوں تک مشترکہ ترکہ کی تجارت، انتظام اور ترقی کے لیے مسلسل محنت کرتے ہیں، جبکہ بہنوں کو اس تصرف کا علم بھی ہوتا ہے اور وہ عرفاً اس پر اعتراض نہیں کرتیں۔ دوسری طرف معاشرے کا عمومی عرف بھی یہی ہے کہ اس نوعیت کی مسلسل خدمات بلا معاوضہ انجام نہیں دی جاتیں، الا یہ کہ صراحتاً نہیں احسان یا تبرع قرار دیا جائے۔ اس لیے مجموعی قرائن، عرف، دلالۃً اجازت اور عملی صورتِ

---

(10) مجموعہ فتاویٰ دارالعلوم کراچی فتوی نمبر 1098/26)

(11) ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، **رد المحتار على الدر المختار (حاشية ابن عابدين)**، (ط. الحلبي)، (ج 6، ص 42)۔

(12) حيدر، علي، **درر الحكام شرح مجلة الأحكام**، (ج 1، ص 44)۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

حال کو سامنے رکھتے ہوئے یہی رائے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے کہ ایسی صورت میں کام کرنے والے بھائی اپنی محنت کے بدلے **اجرتِ مثل** کے مستحق ہوں گے، جبکہ اصل سرمایہ اور اس سے حاصل ہونے والا باقی منافع تمام ورثاء کے درمیان ان کے شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔

یہی رائے انصاف کے بھی زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس سے نہ سرمایہ رکھنے والے ورثاء کے حقوق متاثر ہوتے ہیں اور نہ برسوں محنت کرنے والے بھائیوں کی خدمات ضائع ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر فتاویٰ دارالعلوم کراچی میں اس مسئلے کا راجح حکم یوں بیان کیا گیا ہے:

"اس پوری صورت حال پر غور کرنے سے راجح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس صورت میں عمل کرنے والا وارث اجرت مثل کا مستحق ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کی نیت بھی یہ تھی کہ وہ تبرعاً عمل نہیں کر رہا۔ اور یہ بات زیادہ قرین انصاف بھی معلوم ہوتی ہے کہ عمل کرنے والے کی محنت بھی اکارت نہیں گئی اور سرمایہ کے مالک کو اس کے سرمایہ کا نفع بھی مل گیا"(13)۔

مندرجہ بالا بحث اس صورت سے متعلق تھی جب مشترکہ ترکہ میں تصرف تمام ورثاء کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت سے کیا گیا ہو۔ لیکن اگر بعض ورثاء کی اجازت موجود نہ ہو اور ان کے حصے میں ان کی رضامندی کے بغیر تصرف کیا جائے تو اس مسئلے کی فقہی حیثیت یکسر تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ معاملہ شرکت اور باہمی رضامندی کے بجائے غصب کے احکام کے تابع ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں منافع کی ملکیت، واجب التصدق ہونے یا نہ ہونے، اصل مالک کے حق اور عامل کی اجرت سے متعلق احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ ذیل میں اسی صورت کا فقہی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

بلا اجازت تصرف کی صورت میں منافع کا شرعی حکم اور اس کی ملکیت

اگر مشترکہ ترکہ میں بعض ورثاء کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت موجود نہ ہو اور کوئی وارث اپنی مرضی سے پورے ترکہ یا اس کے کسی حصے میں تجارت یا دیگر مالی تصرف کرے، تو فقہ حنفی کی رو سے اس تصرف کی حیثیت غصب کی ہوگی۔ اس لیے کہ مشترکہ ترکہ کا ہر حصہ تمام ورثاء کی مشترکہ ملکیت ہے، لہٰذا کسی ایک وارث کو دوسرے کے حصے میں بلا اجازت تصرف کا حق حاصل نہیں۔

اس اصول کی بنیاد پر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ غصب شدہ مال سے حاصل ہونے والا منافع اگرچہ ابتداءً غاصب کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے، تاہم وہ اس کے لیے پاک اور حلال نہیں رہتا، بلکہ اس پر واجب ہوتا ہے کہ اس منافع کو اپنے پاس رکھنے کے بجائے اس سے دستبردار ہو۔ چنانچہ فقہ کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے:

"ولو استعمل المغصوب بأن كان عبداً فأجره فالأجرة له، ولا تطيب له فيتصدق بها، وكذا لو ربح بدراهم الغصب كان الربح له، ويتصدق به"(14)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غصب شدہ مال سے حاصل ہونے والا نفع اگرچہ ظاہری اعتبار سے غاصب کے قبضے میں آتا ہے، لیکن اس کے لیے وہ حلال نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ایسے مال کے ذریعے حاصل ہوا ہے جس میں اس کا جائز حق موجود نہیں تھا۔

البتہ مشترکہ ترکہ کے مسئلے میں ایک اہم امتیاز یہ ہے کہ یہاں اصل مالک غیر معلوم نہیں بلکہ متعین اور موجود ہوتے ہیں۔ یعنی دوسرے ورثاء اپنے حصوں کے واضح حق دار ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس مسئلے کا حکم عام غصب سے مختلف ہو جاتا ہے۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب منافع کا اصل مالک معلوم ہو تو اس منافع کو صدقہ کرنے کے بجائے اصل مالک ہی کو واپس کیا جائے گا۔ چنانچہ مجمع الضمانات میں ہدایہ کے حوالے سے مذکور ہے:

(13) **مجموعہ فتاوی دارالعلوم کراچی فتوی نمبر** (26/10698)

(14) البغدادي، غانم بن محمد، مجمع الضمانات، (بيروت: دار الكتاب الإسلامي)، (ص 130)۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

"ولو دفع الغلة إلى المالك حل للمالك تناولها كما في الهداية"[15]۔

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اگر غاصب حاصل شدہ منافع اصل مالک کو واپس کر دے تو اس کے لیے اس منافع کا استعمال جائز ہے، کیونکہ حرمت غاصب کے حق میں تھی، اصل مالک کے حق میں نہیں۔

اسی فقہی اصول کی بنیاد پر فتاویٰ دارالعلوم کراچی میں، شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی تصدیق کے ساتھ، یہ رائے اختیار کی گئی ہے کہ اگر اصل مالک موجود ہو تو واجب التصدق منافع اسی کو واپس کرنا زیادہ مناسب بلکہ راجح صورت ہے، تاکہ وہ اپنے ہی مال سے حاصل ہونے والے ثمرے سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ہاں اس وارث کے اپنے حصے میں جتنا نفع ہوا ہے وہ اس کے لئے حلال طیب ہے، اسلئے اپنے حصے کی حد تک منافع خود رکھ لے اور دیگر ورثاء کے حصوں کا منافع واجب التصدق ہے، اور چونکہ مالک معلوم ہے (یعنی دوسرے ورثاء) اسلئے ان کے حصے کا نفع ان کو لوٹائے"[16]۔

اسی طرح شیخ الاسلام صاحب نے بھی اپنی کتاب "اسلام اور جدید معاشی مسائل" میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

"اس میں اصل حکم تو یہ ہے کہ جو کچھ ربح حاصل ہوا وہ تصدق کرے، اگر تصدق نہ کرے بلکہ ورثاء کو دے دے تو اس کا ذمہ ساقط ہو جائے گا، یہ زیادہ مناسب ہے تاکہ اس سے تمام ورثاء فائدہ اٹھالیں"[17]۔

اس بنا پر اگر مشترکہ ترکہ میں بعض ورثاء کی اجازت کے بغیر تجارت کی گئی ہو تو دوسرے ورثاء کے حصوں سے حاصل ہونے والا منافع انہی ورثاء کو واپس کرنا لازم ہوگا۔ اسے کسی دوسرے فقیر یا مستحق کو دینا اس وقت مناسب نہیں جب اصل حق دار خود موجود ہوں، کیونکہ اس صورت میں ان کا حق براہِ راست انہیں لوٹانا ہی عدل اور فقہی اصولوں کے زیادہ قریب ہے۔

اگرچہ اس پوری بحث میں منافع کی ملکیت اور اس کی واپسی کا حکم واضح ہو چکا، تاہم ایک اہم فقہی سوال اب بھی باقی رہتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر بلا اجازت تصرف کرنے والے وارث نے اپنی محنت سے مال میں اضافہ کیا ہو تو کیا وہ اس محنت کے بدلے کسی اجرت یا معاوضے کا مستحق ہوگا؟ فقہائے احناف نے اس سوال کا جواب بھی غصب کے اصولوں کی روشنی میں دیا ہے۔

اس سلسلے میں فقہائے احناف نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی وارث نے دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر ان کے حصے میں تصرف کیا تو اگرچہ اس نے تجارت، محنت اور انتظام کے ذریعے مال میں اضافہ کیا ہو، پھر بھی وہ اس محنت کے عوض کسی اجرت یا معاوضے کا مستحق نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق غاصب اپنی ناجائز تصرف پر کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فقہی عبارت میں صراحت موجود ہے:

"اس صورت میں کام کرنے والے ورثاء دیانۃً بھی کسی اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے، کیونکہ غاصب اگر رقمِ مغصوب میں کاروبار کرکے اضافہ کرلے تو وہ کسی اجرت کا مستحق نہیں ہوتا"[18]۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلا اجازت تصرف کی صورت میں دو الگ الگ احکام پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ دوسرے ورثاء کے حصے سے حاصل ہونے والا منافع انہی کا حق ہے اور انہیں واپس کرنا لازم ہے۔ دوم یہ کہ تصرف کرنے والا وارث اپنی محنت کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کی محنت ایک غیر مجاز تصرف پر مبنی تھی۔

---

(15) ایضا

(16) مجموعہ فتاویٰ دار العلوم کراچی فتوی نمبر (26/10698)

(17) عثماني، محمد تقي، اسلام اور جدید معاشی مسائل، (لاہور: ادارہ اسلامیات، 1429ھ/2008ء)، (ج2، ص193)۔

(18) مجموعہ فتاویٰ دار العلوم کراچی فتوی نمبر (26/10698)

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اس پوری بحث سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ مشترکہ ترکہ میں تصرف کے نتیجے میں حاصل ہونے والے منافع اور محنت کے معاوضے کا شرعی حکم محض تجارت یا محنت پر موقوف نہیں، بلکہ اس کی بنیاد ورثاء کی اجازت یا عدمِ اجازت پر ہے۔ یہی اجازت اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ حاصل شدہ منافع مشترکہ ملکیت شمار ہوگا یا غصب کے احکام کے تابع قرار پائے گا، اور تصرف کرنے والا وارث اجرتِ مثل کا مستحق ہوگا یا نہیں۔

بلوچستان کے پشتون معاشرے پر فقہی اصولوں کا اطلاق اور نتائجِ تحقیق

اسلامی شریعت نے وراثت کی تقسیم کے ایسے واضح اور قطعی اصول مقرر کیے ہیں جن میں کسی بھی وارث کے حق کو قبائلی روایت، خاندانی دباؤ یا معاشرتی مصلحت کی بنیاد پر تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ تاہم بلوچستان کے پشتون معاشرے میں عملی صورتِ حال اس کے برعکس نظر آتی ہے، جہاں مشترکہ خاندانی نظام کے باعث اکثر والد کے انتقال کے بعد ترکہ طویل عرصہ تک غیر منقسم رہتا ہے اور اس کا انتظام عموماً بھائیوں کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ یہی غیر منقسم ترکہ کاروبار، تجارت اور دیگر معاشی سرگرمیوں میں استعمال ہوتا رہتا ہے، جس سے مسلسل منافع حاصل ہوتا ہے، لیکن اصل ورثاء خصوصاً خواتین کو ان کے شرعی حصے سے محروم رکھا جاتا ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں ترکہ پر تصرف کی نوعیت ایک جیسی نہیں ہوتی، بلکہ اس کی دو الگ فقہی صورتیں پائی جاتی ہیں، اور دونوں کے احکام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ بہنوں کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً بھائیوں کو ترکہ میں تصرف کی اجازت موجود ہوتی ہے۔ چونکہ بلوچستان کے پشتون معاشرے میں مشترکہ خاندانی نظام رائج ہے، اس لیے عموماً تمام ورثاء ایک ہی خاندان کی صورت میں رہتے ہیں، اور بہنیں بھی اس بات کو قبول کرتی ہیں کہ بھائی مشترکہ جائیداد کا انتظام کریں، اس کی حفاظت کریں اور اس میں کاروبار جاری رکھیں۔ اگرچہ اس اجازت کا اظہار اکثر زبان سے نہیں کیا جاتا، لیکن مسلسل خاموشی، عرف اور عملی رویہ اس اجازت پر دلالت کرتا ہے۔

ایسی صورت میں مشترکہ ترکہ سے حاصل ہونے والا منافع تمام ورثاء کی مشترکہ ملکیت شمار ہوگا، کیونکہ اصل سرمایہ تمام ورثاء کا مشترک ہے۔ تاہم چونکہ کاروبار اور محنت صرف بھائیوں نے کی ہے، اس لیے فقہی اصولوں کے مطابق وہ اپنی محنت کے بدلے اجرتِ مثل کے مستحق ہوں گے۔ اس کے بعد باقی منافع تمام ورثاء کے درمیان ان کے شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

یہ حکم اس فقہی اصول پر مبنی ہے کہ جب کسی کے مال میں اس کی اجازت سے عمل کیا جائے اور عمل اجرت لینے والے کاموں میں سے ہو تو عامل اجرتِ مثل کا حق دار ہوتا ہے، اگرچہ اجرت کا صریح معاہدہ موجود نہ ہو۔

تحقیق سے یہ بھی واضح ہوا کہ بلوچستان کے بیشتر علاقوں میں عملی طور پر یہی صورت پائی جاتی ہے، کیونکہ بہنیں اپنے بھائیوں کو خاندان کے منتظم کی حیثیت سے قبول کرتی ہیں، اگرچہ بعد میں تقسیم میں تاخیر یا حق تلفی پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بھائیوں نے بہنوں کی صراحتاً یا دلالۃً اجازت کے بغیر مشترکہ ترکہ میں تصرف کیا ہو، یا بہنوں نے بھائیوں کو اپنے حصے میں تصرف سے واضح طور پر منع کیا ہو۔ ایسی صورت میں یہ تصرف فقہی اصطلاح میں غصب شمار ہوگا، کیونکہ ہر وارث اپنے حصے کا مستقل مالک بن چکا ہوتا ہے، اس لیے اس کی اجازت کے بغیر اس کے حصے میں تصرف جائز نہیں۔

اس صورت میں اگر بھائیوں نے مشترکہ ترکہ سے تجارت کر کے منافع حاصل کیا تو فقہی اعتبار سے وہ اپنے حصے کے سرمایہ سے حاصل شدہ منافع کے مالک ہوں گے، لیکن بہنوں کے حصے کے سرمایہ سے حاصل ہونے والا منافع ان کے لیے حلال نہیں ہوگا، بلکہ وہ واجب التصدق ہوگا۔

البتہ چونکہ اس منافع کے اصل مالکان معلوم اور موجود ہیں، اس لیے موجودہ حالات میں فقہی اعتبار سے زیادہ مناسب یہی ہے کہ اس منافع کو کسی اجنبی فقیر پر صدقہ کرنے کے بجائے اصل حق دار ورثاء یعنی بہنوں کو واپس کر دیا جائے۔ اس طرح ایک طرف ان کا حق انہیں مل جائے گا اور دوسری طرف بھائی ناجائز تصرف کے اثرات سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اسی بناپر شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے بھی یہی رائے اختیار فرمائی ہے کہ جب اصل مالک معلوم ہو تو واجب الصدقہ منافع اسی کو واپس کرنا زیادہ مناسب ہے، تاکہ اصل حق دار اپنے ہی مال سے حاصل ہونے والے منافع سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اسی طرح تحقیق سے ایک اہم فقہی نتیجہ یہ بھی سامنے آیا کہ اگر بھائیوں نے بہنوں کی اجازت کے بغیر مشترکہ ترکہ میں تصرف کیا ہو تو وہ اپنی محنت کے باوجود کسی اجرت یا معاوضے کے مستحق نہیں ہوں گے، کیونکہ فقہی اصول کے مطابق غاصب اپنے غاصبانہ عمل پر اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایسی صورت میں بہنیں اپنے حصے کے اصل سرمایہ اور اس سے حاصل شدہ منافع دونوں کی حق دار ہوں گی، جبکہ بھائی صرف اپنے حصے کے منافع کے مالک ہوں گے۔

یہ نتائج اس حقیقت کو بھی نمایاں کرتے ہیں کہ بلوچستان کے پشتون معاشرے میں وراثت کے متعلق موجود بہت سے عملی مسائل دراصل فقہی احکام سے ناواقفیت اور قبائلی روایات کے غلبے کا نتیجہ ہیں۔ خواتین کو وراثت سے محروم رکھنا، ترکہ کو برسوں تک تقسیم نہ کرنا اور مشترکہ جائیداد کو صرف مردوں کی ملکیت سمجھنا ایسے رویے ہیں جو قرآن وسنت کے صریح احکام سے مطابقت نہیں رکھتے۔

اس تحقیق کا ایک اہم نتیجہ یہ بھی ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام بذات خود شرعاً ممنوع نہیں، لیکن اگر اس نظام کی وجہ سے کسی وارث کا مقررہ حق ضائع ہو، میراث کی تقسیم غیر معینہ مدت تک مؤخر کر دی جائے، یا خواتین کو ان کے شرعی حصوں سے محروم رکھا جائے تو ایسی تمام صورتیں ناجائز اور قابل اصلاح ہیں۔

سفارشات

مندرجہ بالا نتائج کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

1. والدین کے انتقال کے بعد حتی الامکان ترکہ کی تقسیم میں غیر ضروری تاخیر نہ کی جائے بلکہ جلد از جلد شرعی اصولوں کے مطابق تقسیم عمل میں لائی جائے۔
2. اگر کسی مصلحت کی وجہ سے ترکہ کچھ عرصہ مشترک رکھا جائے تو تمام ورثاء کی واضح رضامندی حاصل کی جائے اور ان کے حقوق کو تحریری صورت میں محفوظ کیا جائے۔
3. مشترکہ ترکہ میں ہونے والے کاروبار کا مکمل حساب کتاب باقاعدہ تحریری ریکارڈ کی صورت میں رکھا جائے تاکہ بعد میں کسی قسم کا نزاع پیدا نہ ہو۔
4. خواتین کو ان کے شرعی حقوق سے محروم کرنے والی قبائلی روایات اور معاشرتی دباؤ کے خاتمے کے لیے علماء، تعلیمی ادارے اور سماجی تنظیمیں مؤثر کردار ادا کریں۔
5. عوام میں علمِ میراث اور اس کے عملی احکام سے متعلق شعور اجاگر کرنے کے لیے مساجد، مدارس اور جامعات میں خصوصی دروس، سیمینارز اور تربیتی پروگرام منعقد کیے جائیں۔
6. عدالتوں اور دارالافتاء میں ایسے مقدمات کے حل کے لیے عرف اور قبائلی روایات کے بجائے قرآن وسنت اور فقہی اصولوں کو بنیاد بنایا جائے۔
7. اگر مشترکہ ترکہ میں کسی وارث نے بلا اجازت تصرف کیا ہو تو تصفیہ کرتے وقت اصل سرمایہ، حاصل شدہ منافع اور ہر وارث کے شرعی حق کو فقہی اصولوں کے مطابق الگ الگ متعین کیا جائے۔

خلاصہ

اس تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ مشترکہ ترکہ میں حاصل ہونے والے منافع کا شرعی حکم محض کاروبار یا محنت پر موقوف نہیں، بلکہ اس کا بنیادی مدار ورثاء کی اجازت یا عدم اجازت پر ہے۔ یہی اصول اس بات کا تعین کرتا ہے کہ منافع کی ملکیت، عامل کے استحقاق اور دیگر متعلقہ فقہی احکام کیا ہوں گے۔ مزید یہ کہ بلوچستان کے پشتون معاشرے میں مشترکہ خاندانی نظام بذاتِ خود شرعاً ممنوع نہیں، تاہم جب یہ نظام وراثت کی تقسیم میں تاخیر، خواتین کے حقوق کی پامالی یا شرعی احکام سے انحراف کا سبب بن جائے تو اس کی اصلاح ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مشترکہ ترکہ سے متعلق معاملات کو فقہی اصولوں اور مقررہ شرعی حقوق کی روشنی میں منظم کیا جائے، تاکہ ورثاء کے حقوق محفوظ رہیں اور معاشرے میں عدل وانصاف پر مبنی اسلامی نظام میراث کو مؤثر انداز میں نافذ کیا جا سکے۔